۳۰

استعانت بغیر عبودیت کے حاصل نہیں ہو سکتی

(فرمودہ ۱۴؍اگست ۱۹۳۶ء بمقام دھرم سالہ)

(غیر مطبوعہ)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

کہنے کو تو سب لوگ اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کا بندہ کہتے ہیں اور خواہ کوئی بادشاہ ہو یا فقیر اس بات میں جھجک محسوس نہیں کرتا کہ وہ خدا تعالیٰ کا غلام ہے۔مگر دیکھنا یہ ہے کہ واقعہ میں اس کے اندر عبودیت موجود بھی ہے یا نہیں۔ منہ سے غلامی کا اقرار کر لینا اور بات ہے اور اپنے عمل سے خدا تعالیٰ کے غلام ہونے کا ثبوت پیش کرنا بالکل اور بات ہے۔ بسا اوقات ایک آدمی اپنے منہ سے تو ایک بات کا اقرار کر لیتا ہے لیکن جب امتحان اور آزمائش کا وقت آتا ہے تو فیل ہو جاتا ہے۔

ابو سینا ایک شخص تھے جن کے خیالات بہت اعلیٰ ہوتے تھے۔انہوں نے ایک دفعہ ایسی بات کہی جس کا ان کے تمام شاگردوں پر خاص اثر ہوا کہ ان کا ایک شاگرد بے تحاشہ کہہ اُٹھا آپ تو نبوت کے اہل ہیں آپ تو وہ کام کر سکتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی نہیں ہو سکتے۔ وہ تھے تو مسلمان لیکن اپنے شاگرد کی اس بات کو سن کر مصلحتاً خاموش ہو رہے۔ کچھ عرصہ کے بعد سردی کا موسم آ گیا اور اس قدر شدید سردی پڑی کہ تالابوں کا پانی منجمد ہونا شروع ہو گیا۔اس شدید سردی کی حالت میں انہوں نے ایک تالاب کو دیکھ کر اپنے اسی شاگرد کو کہا تم اس تالاب میں کُود دو۔ یہ حکم سن کر ان کا شاگرد حیرت سے ان کا منہ دیکھنے لگا جس کا مطلب یہ تھا کہ آپ یہ کیسا تکلیف دِہ اور ناممکن العمل حکم دے رہے ہیں اور کہنے لگا آپ مجھ سے یا تو مذاق کر رہے ہیں یا پھر آپ پاگل

ہیں۔ انہوں نے اس شاگرد کو جواب دیا کہ ابھی کچھ دنوں پہلے تُو نے کس برتے پر مجھے کہا تھا کہ آپ تو نبوت کے اہل ہیں حالانکہ میں نے تجھے صرف ایک سرد پانی کے تالاب میں کُودنے کو کہا ہے اور تُو اِس حکم پر بھی پورا نہیں اُتر سکتا دوسری طرف نبی کریم ﷺ کے صحابہؓ کی یہ حالت تھی کہ حضور نے اُن کو طرح طرح کے مصائب میں ڈالا لیکن انہوں نے کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ اُن کو ہمیشہ اس بات کی خواہش رہتی تھی کہ ہم کو اس سے زیادہ مشکل کاموں کے کرنے کا حکم دیا جائے۔

آجکل کے مسلمانوں کی تو یہ حالت ہے کہ وہ تمام احکام میں ایسی راہیں تلاش کرتے ہیں جن سے وہ ان احکام سے کسی طرح بچ سکیں۔ حتّٰی کہ بعض مسلمانوں نے ''کِتَابُ الْحِیَل'' جیسی کتب بھی لکھ دی ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ کس طریق سے ہم شریعت کے احکام سے نجات پا سکتے ہیں۔ گویا یہ لوگ ان احکام سے بچنا اپنا فرض سمجھتے تھے اور ان احکام کو اپنے اوپر بطور چٹّی کے خیال کرتے تھے لیکن اس کے برخلاف صحابہ کرامؓ اعمالِ صالحہ میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ ایک صحابیؓ کا ذکر ہے کہ انہوں نے ساری رات جاگنا شروع کر دیا تھا تا کہ زیادہ ثواب اور رضائے الٰہی حاصل ہو لیکن حضرت نبی کریم ﷺ نے اُس کو منع فرما دیا۔ اسی طرح ایک صحابیؓ نے ہر روز روزہ رکھنا شروع کر دیا لیکن حضور نے اُس کو بھی منع فرما دیا۔ ایک صحابیؓ نے ہر روز پورے قرآن مجید کی تلاوت کا التزام کیا تو حضور نے اُس کو بھی منع فرمایا۔ بعض صحابہؓ نے وِصال کے روزے شروع کر دیئے تو حضور نے ان سے فرمایا کہ یہ روزے صرف میری ذات کیلئے ہیں تم یہ روزے نہ رکھا کرو۔

ایک دفعہ حضور نے ایک مہاجر اور ایک انصاری کو بھائی بھائی بنایا۔ ایک دفعہ مہاجر بھائی، انصاری بھائی سے ملاقات کیلئے گئے کیا دیکھتے ہیں کہ اس انصاری بھائی کی بیوی میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے بیٹھی ہے۔ انہوں نے اس سے دریافت کیا کہ تیری یہ حالت کیوں ہے؟ کہنے لگی میں کس کو دکھانے کیلئے صاف ستھری ہو کر بیٹھوں۔ میرے خاوند کی تو یہ حالت ہے کہ ساری رات عبادت کرتا رہتا ہے اور دن روزہ کی حالت میں گزار دیتا ہے اور اُس کو اِس بات کی خبر نہیں کہ میں اُس کے گھر میں بطور بیوی کے رہتی ہوں۔ اتنے میں انصاری بھائی بھی آ گئے۔ مہاجر بھائی نے ان

کو اِس قدر عبادت سے منع کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ تم عجیب قسم کے بھائی ہو کہ مجھے نیکی سے روکتے ہو اور جب وہ رات کو عبادت کیلئے اُٹھنے لگے تو انہوں نے نہ اُٹھنے دیا اور زبردستی لِٹا دیا اور جب دن کو روزہ رکھنے لگے تو روزہ بھی نہ رکھنے دیا۔ اس پر انصاری نے آنحضرت ﷺ سے اس امر کی شکایت کی تو حضور نے فرمایا کہ تمہارے مہاجر بھائی کا یہ فعل بالکل درست ہے اور فرمایا لِنَفْسِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَلِزَوْجِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَلِجَارِکَ عَلَیْکَ حَقًّا [۱]۔ یعنی ہر وقت عبادت درست نہیں کیونکہ تجھ پر تیرے اپنے نفس، بیوی اور ہمسایہ کے بھی حقوق ہیں۔ گویا صحابہؓ میں ہمیشہ اس بات کا بھی مقابلہ ہوا کرتا تھا کہ وہ عبادت میں کسی سے کم نہ رہیں لیکن آج کل کے مسلمان ہر وقت ایسی راہوں کی تلاش میں لگے رہتے ہیں جن سے وہ عبودیت کے پنجے سے نجات پاسکیں اور ان کا اپنے منہ سے یہ کہنا کہ ہم خدا تعالیٰ کے عبد ہیں اس مثال کے مطابق ہے کہ ''سَو گز واروں ایک گز نہ پھاڑوں'' یعنی منہ سے تو سَو گز وارنے کو تیار ہیں لیکن اگر ان کو فی الواقعہ پھاڑنے کیلئے کہا جائے تو انکار کر دیں گے۔ یوں تو عبودیت کے دعویدار ہیں لیکن ان میں کِبر، تصنع، ریاء، نمائش سب قسم کے عیوب اور نقائص پائے جاتے ہیں اور زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ وہ اپنے عیوب کو عیوب نہیں سمجھتے اور ان کی مثال اُس بیمار کی طرح ہے جو اپنی بیماری کا احساس نہیں کرتا۔ ایسے بیمار کا علاج بھی مشکل سے ہی ہوسکتا ہے اور اگر کوئی شخص ان کو سمجھانے لگے تو اُلٹا اس بات کو بُرا مانتے ہیں۔

قرآن مجید میں یہ ایک ممتاز خوبی ہے کہ جب کبھی کوئی حکم بیان کرتا ہے تو معاً اس کے ساتھ ہی اس حکم کے فوائد اور اغراض بھی بیان کر جاتا ہے اور یہ خوبی کسی اور کتاب میں نہیں پائی جاتی کیونکہ جب وہ کوئی حکم دیتی ہیں تو اس حکم کے نتائج، فوائد اور اس کے حصول کے طریق نہیں بتاتیں۔ لیکن قرآن مجید ان تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھتا ہے اسی لئے جب اس نے اِیَّاکَ نَعْبُدُ فرمایا ساتھ ہی اس کا نتیجہ اور فائدہ بھی اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ [۲] کے الفاظ میں فرما دیا۔ گویا اِیَّاکَ نَعْبُدُ کے لئے اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ بطور دلیل کے ہے۔ نیز بطور معیار کے بھی یعنی جو شخص عبودیت کا مدعی ہو ہم اس کو تب ہی سچا سمجھیں گے جبکہ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کا اعلیٰ مقام اس کو حاصل ہو۔ پس اِیَّاکَ نَعْبُدُ بطور دلیل کے ہے اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کیلئے اور اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ بطور دلیل کے ہے اِیَّاکَ نَعْبُدُ

کیلئے۔ یعنی عبودیت کا دعویٰ بغیر استعانت کے بالکل غلط ہے اوراسی طرح استعانت بغیر عبودیت کے ہرگز حاصل نہیں ہوسکتی۔ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں تو اُس پر فرض ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہی اتّکال کرے اور اِدھراُدھر اپنی نظر نہ اُٹھائے۔ کیا تم نے کبھی یہ دیکھا ہے کہ کوئی شخص کہتا ہو کہ میں فلاں کا بیٹا ہوں اور پھر اور لوگوں کے گھروں سے کھانا اور کپڑا مانگتا پھرتا ہو۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو اِس کا یہ مطلب ہے کہ وہ درحقیقت اپنے آپ کو اُس شخص کا بیٹا نہیں سمجھتا بلکہ یہ صرف اس کے منہ کی بات ہے۔ اسی طرح جو شخص خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں سے مانگتا ہے تو درحقیقت وہ یہ ظاہر کررہا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبودیت کے دعویٰ میں سچا نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص عبودیت کے دعویٰ کے باوجود اور لوگوں کا دستِ نگر ہے تو یقیناً اُس کا ایمان کمزور ہے ورنہ اگر اس کا اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان ہوتا تو خدا تعالیٰ کے مل جانے کے بعد اس کو کسی اور کی حاجت ہی باقی نہ رہتی۔ اور جو شخص خدا تعالیٰ کا ہو رہتا ہے تو پھر اس کو اس بات کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی کہ لوگ اس کی مدد کریں بلکہ خدا تعالیٰ خود اس کی مدد کرتا ہے اور یہ جو قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آتا ہے کہ غریبوں اور مساکین کی امداد کرو یہ حکم تو ادنیٰ ایمان والے لوگوں کیلئے فرمایا گیا ہے نہ کہ کامل ایمان والے لوگوں کیلئے۔ اس حکم سے یہ تو مراد نہیں کہ اے لوگو! تم نبی کریم ﷺ کی یا نوح علیہ السلام کی یا ابراہیم علیہ السلام کی مدد کرو۔ کیونکہ انبیاء کی نصرت کا دارومدار لوگوں پر نہیں ہوتا بلکہ خدا تعالیٰ خود ان کی پشت پر ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہام ہوا یَنْصُرُکَ رِجَالٌ نُوْحِیْ اِلَیْھِمْ مِنَ السَّمَآءِ [۳] یعنی یہ سوال نہیں کہ کوئی تیری مدد کرتا ہے یا نہیں بلکہ ہم خود پکڑ پکڑ کر لوگوں سے تیری مدد کروائیں گے۔ پس رحم اور امداد کا سوال تو ادنیٰ درجہ کے لوگوں کیلئے ہے نہ کہ انبیاء اور کامل مومنوں کیلئے۔ کیونکہ انبیاء اور کامل مومن تو سائل اور محروم کے ماتحت نہیں آتے اور مذکورہ حکم اُن دو کے لئے ہی ہے۔ پس حقیقت یہی ہے کہ یہ حکم یا تو کافروں کیلئے ہے یا پھر ادنیٰ مومنوں اور محروم لوگوں کیلئے۔ کامل مؤمنوں کی فکر تو خدا تعالیٰ خود کرتا ہے۔ ہاں جن لوگوں کا ایمان ہنوز کمال کے درجہ تک نہیں پہنچا ہوتا تو جس طرح غبارہ ہچکولے کھایا کرتا ہے اسی طرح وہ بھی ہچکولے کھاتے رہتے ہیں۔

ایک بزرگ کے متعلق آتا ہے کہ وہ شہر سے دور کسی مقام پر عبادت کیا کرتے تھے اوران

کا رزق وہیں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچ جایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ ان کو فاقہ ہوا اور وہ اُس جگہ کو چھوڑ کر شہر کو چل دیئے اور ایک دوست کے ہاں سے کھانا کھایا اور کچھ کھانا لے کر واپس اسی جگہ کی طرف آنے لگے تو ان کے دوست کا کُتّا بھی اُن کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ انہوں نے جب کُتّے کو پیچھے آتے دیکھا تو اس کو بھوکا سمجھ کر ایک روٹی ڈال دی۔ تھوڑی دور جا کر پھر دیکھا کہ کُتّا ابھی پیچھے ہی چلا آ رہا ہے تو دوسری روٹی ڈال دی۔ تھوڑی دیر کے بعد جب پھر کُتّا پیچھے ہی چلا آتا نظر آیا تو نہایت غصہ کے ساتھ تیسری روٹی اُس کی طرف پھینک کر کہا کہ تُو بڑا بے حیا ہے کہ میرا پیچھا ہی نہیں چھوڑتا۔ ان کے اس کہنے پر معاً اُن کو کشف ہوا اور کُتّا انسان کی شکل ہو کر ان کو یہ کہتا ہوا نظر آیا کہ بے حیا میں ہوں یا تُو ہے؟ مجھے اس گھر میں کئی دنوں سے فاقے ہو رہے ہیں مگر میں نے وفاداری کی وجہ سے اس گھر کو چھوڑنا گوارا نہ کیا تجھے صرف ایک ہی فاقہ گزرا تھا کہ تُو نے خدا تعالیٰ کا دروازہ چھوڑ دیا۔ پس کُتّے نے انسانی شکل میں آکر اُن کو یہ بتایا کہ مومن کو اللہ تعالیٰ سے کسی صورت میں بھی مایوس نہ ہونا چاہئے اور ہر وقت اُس کے دروازہ پر ہی اپنی نظر کو لگائے رکھنا چاہئے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرمایا کرتے تھے مجھے یہ تو قطعاً یقین نہیں ہے کہ وہ اپنی ذات کے بارہ میں ہی فرماتے ہوں کہ ہم طبیبوں کی بھی کیا زندگی ہے کہ اگر ہمارے سامنے کوئی شخص اپنے نیفے کو کھجلاتا ہے تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم کو کچھ فیس دینے لگا ہے۔ یہ انہوں نے عام اطباء کی حالت بیان فرمائی ہے نہ کہ اپنی۔ کیونکہ کامل مومن کی نظر لوگوں کی طرف نہیں ہوتی اور حضرت خلیفہ اوّل کو ہم نے بارہا دیکھا ہے کہ جب اُن کو روپوں کی ضرورت ہوتی تو فوراً کوئی شخص آتا اور علاج کروا کے بغیر گننے کے کچھ روپے دے جاتا۔ ایک دفعہ حضرت حافظ روشن علی صاحب مرحوم، حضرت خلیفہ اوّل کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک شخص آیا اور حضور کو کچھ روپے دے گیا۔ حضور نے حافظ صاحب مرحوم سے گننے کو فرمایا تو وہ روپے اُسی قدر نکلے جس قدر ایک قرض خواہ کو دینے تھے۔ ایسا معاملہ تو عام مؤمنوں سے بھی ہو جاتا ہے لیکن عام مؤمنوں میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کی شرط اعلیٰ پیمانہ پر نہیں پائی جاتی بلکہ یہ صرف خاص مؤمنوں کیلئے ہی ہے۔ پس جب کامل مؤمن اِیَّاکَ نَعْبُدُ کہہ کر خدا تعالیٰ کا کامل عبد ہو جاتا ہے تو پھر اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کہتا ہے یعنی اے خدا! جب میں تیرا ہی بندہ ہو چکا اب میں تیرے دروازے کو چھوڑ کر اور کسی کا دروازہ کیوں

کھٹکھٹاؤں؟ گویا اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ لازمی نتیجہ ہے اِیَّاکَ نَعْبُدُ کا۔

اس مقام پر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہاں اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ پہلے ہونا چاہئے تھا اور اِیَّاکَ نَعْبُدُ بعد میں کیونکہ بغیر اعانتِ الٰہی کے عبودیت کا مقام حاصل ہو ہی نہیں ہوسکتا۔ ان کا یہ کہنا بھی ایک طرح سے درست ہے لیکن جس مقام کا یہاں بیان ہے اس میں عبودیت، استعانت سے قبل ہی درست ہے کیونکہ یہاں گویا پہلے سوال اُٹھایا ہے کہ کون شخص اللہ تعالیٰ کا عبد ہوتا ہے اس کے بعد خود ہی جواب دے دیا کہ جو خدا تعالیٰ سے ہی استعانت طلب کرے اور صرف اسی کی طرف اُس کی نظر اُٹھے اور اُسی پر اُس کا کامل بھروسہ ہو۔

حضرت سیّد عبدالقادر جیلانیؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں اُس وقت تک کھانا نہیں کھایا کرتا جب تک مجھے اللہ تعالیٰ نہیں فرما دیتا کہ اے عبدالقادر! تجھے میری ہی ذات کی قسم ہے کہ تُو ضرور کھانا کھا اور میں اُس وقت تک کپڑا نہیں پہنتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ مجھے نہیں فرما دیتا کہ اے عبدالقادر! تجھے میری ہی ذات کی قسم کہ تُو ضرور یہ کپڑا پہن۔ یہ بھی ایک خاص مقام ہے جو اُن کو حاصل تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر لوگوں نے اعتراض کیا کہ حضور میں سادگی اور فقر نظر نہیں آتا۔ مجھے یاد ہے کہ حضرت خلیفہ اوّل ان لوگوں کو یہ جواب دیا کرتے تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے الہام میں سلیمانؑ کے نام سے بھی تو یاد فرمایا ہے اور وہ بادشاہ تھے۔ پس اگر حضور میں حضرت سلیمانؑ کے حالات نہ پائے جائیں تو حضور کا یہ الہام غلط ٹھہرے گا۔

حضور کو اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کا رنگ عطا فرمایا تھا۔ حضور میں نبی کریم ﷺ کی سی سادگی بھی تھی اور سلیمانؑ کے حالات بھی حضور میں نظر آتے تھے۔ پس عبودیتِ تامہ کے بعد انسان کو کلی طور پر خدا تعالیٰ کی طرف سے استعانت حاصل ہو جاتی ہے اور ہر ایک انسان کو یہ درجہ حاصل ہوسکتا ہے بشرطیکہ وہ ہمت نہ ہارے۔ حتّٰی کہ ابوجہل جیسا انسان بھی اِیَّاکَ نَعْبُدُ پر عمل کر کے اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کا مستحق بن سکتا ہے۔ اگر ابوجہل کیلئے یہ امر محال ہوتا تو اس کا یہ مطلب ہے کہ پھر خدا تعالیٰ کو کوئی حق نہیں کہ ابوجہل کو سزا دے کیونکہ خدا تعالیٰ نے اس کے اندر اگر یہ ملکہ ہی نہیں رکھا تو اس کو سزا دینا قرینِ انصاف نہیں کیونکہ پھر وہ معذور ہے۔ پس اس مقام کے حاصل کرنے کی طاقت اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو دے رکھی ہے خواہ وہ کسی مُلک کا ہو، کسی قوم کا ہو، کسی حالت میں زندگی

گزار رہا ہو۔ پس کیوں ہر ایک انسان یہ کوشش نہ کرے کہ وہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ کے مرحلے کو طے کرتا ہوا اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کی منزل پر جا کر ٹھہرے۔

مجھے ان دوستوں پر تعجب آتا ہے جو دشمنوں کی مخالفت کو دیکھ کر گھبرا جاتے ہیں۔ مگر غور کرنا چاہئے کہ اگر دین پر کوئی خطرہ نہ آئے جس میں ہم کو دین کی نصرت کا موقع مل سکے تو ہمارے اخلاص کا اظہار کس طرح ہو۔ اسی طرح اگر ہم پر تکالیف اور مصائب نہ آئیں تو لوگوں کو کس طرح علم ہو کہ خدا تعالیٰ ہماری اعانت فرماتا ہے اور ان تکالیف کو دور کرنا اُس کے سامنے کچھ بھی نہیں اور اس طرح گویا خدا تعالیٰ بھی اپنا امتحان دیتا ہے اور بتاتا ہے کہ میرے اندر کس قدر طاقت اور قوت ہے اور وہ اپنی قدرت کا اس طرح پر اظہار کرتا ہے کہ پہلے پہل لوگوں کو موقع دیتا ہے کہ وہ اس کے بندے کو بظاہر حالات میں ذلیل کر لیں اور اس کو طرح طرح کی تکالیف کا نشانہ بنالیں۔ اُس کی جان اور مال اور آبرو پر حملے کر لیں۔ اس کے بعد یکدم خدا تعالیٰ نمودار ہوتا ہے اور دنیا کو کہتا ہے کہ کون ہے جو میرے اس بندے کو ہاتھ لگا سکے اور پھر اس کے دشمنوں کو ذلیل وخوار کر دیتا ہے اُس کو عزت کے مقام پر پہنچا دیتا ہے اور اس طرح دنیا کو بتلا دیتا ہے کہ میں کس قدر قادر ہوں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ مجھے سلطان عبدالحمید شاہ ٹرکی کی ایک بات بہت ہی پسند آتی ہے اور وہ یہ کہ جب یونان سے جنگ ہونے کو تھی تو اس کے جرنیلوں نے جلسہ کیا اور خوب ردّ وقدح کے بعد کہنے لگے کہ ہمارے پاس جنگ کا فلاں فلاں سامان تو کافی موجود ہے لیکن فلاں سامان موجود نہیں ہے اس لئے ہم کو جنگ سے احتراز کرنا چاہئے۔ اس موقع پر سلطان عبدالحمید نے اپنے جرنیلوں سے کہا کہ تم نے اپنی طرف سے سارے خانے پُر کر لئے اب کوئی خانہ خدا تعالیٰ کیلئے بھی تو رہنے دو اور حملہ کر دو۔ چنانچہ حملہ کیا گیا اور فتح حاصل ہوئی۔ حضور فرمایا کرتے تھے کہ سلطان عبدالحمید کی یہ بات کہ خدا تعالیٰ کیلئے بھی کوئی خانہ رہنے دو مجھے بہت ہی پسند ہے۔

میں نے دیکھا ہے کہ جب ہماری جماعت میں سے کسی دوست پر انفرادی طور پر یا جماعت پر بحیثیت مجموعی مصائب آتے ہیں تو دوست گھبرا اُٹھتے ہیں اور دوست اخلاص کی وجہ سے مجھے آن آن کر مشورے دینے لگتے ہیں کہ فلاں بات یوں کریں، فلاں یوں کریں۔ خصوصاً جس

جگہ کے دوست آرام میں ہوں جیسا کہ قادیان کی حالت ہے وہ ناصح مشفق بن کر مجھے نصائح شروع کر دیتے ہیں کہ گورنمنٹ سے جنگ پر اُتر نا ٹھیک نہیں اور لوگوں کو اپنی مخالفت پر آمادہ نہیں کرنا چاہئے۔ وہ تو دل میں خیال کر رہے ہوتے ہیں کہ وہ میری خیر خواہی کر رہے ہیں لیکن میں اُن کو اپنے دل میں بُزدل یقین کر رہا ہوتا ہوں کیونکہ جب ہم اِیَّاکَ نَعْبُدُ کہہ چکے تو کس طرح ممکن ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کا کام کریں اور وہ خراب ہو جائے۔ ہمارے تباہ ہو جانے سے دنیا کو ہرگز کچھ نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ کیا ابوبکرؓ، عثمانؓ اور عمرؓ کی شہادت سے اسلام کو کوئی نقصان ہوا؟ ہرگز نہیں حالانکہ یہ خلفاء مقتدر صحابہ میں سے تھے۔ پس ہم کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ ہم لوگوں کے سامنے جھکیں اور اُن سے غیر ضروری نرمی اختیار کریں۔ یہ خدا تعالیٰ کا کام ہے خود بخود ہو جائے گا ہمارا تو صرف اتنا فرض ہے کہ قربانی سے دریغ نہ کریں آگے خدا تعالیٰ کی مرضی ہوگی تو ہم سے کام لے لے گا اور مرضی ہوگی تو ہم سے کام نہ لے گا۔ عبودیتِ تامہ کے ساتھ جبکہ استعانت لازمی طور پر لگی ہوئی ہے تو ہم کو ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ بُزدل شخص کے دل میں عبودیتِ تامہ اور خوف اور لالچ ایک جا جمع ہو سکیں۔ ہاں خدا تعالیٰ سے خوف کرنا اور اس کی کسی چیز کی خواہش رکھنا بُزدلی اور لالچ نہیں کہلائے گا۔ اللہ تعالیٰ سے تو یہ امید ہوتی ہے اور لالچ تو بندوں سے ہوتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ سے ڈرنا بھی عبادت ہے نہ کہ بُزدلی۔ جس طرح سنکھیا سے ڈرنا بُزدلی نہیں کیونکہ جس چیز کا نتیجہ یقینی ہو اُس سے ڈرنا بُزدلی نہیں کہلاتا۔ بُزدلی تو اُس چیز سے ڈرنے کو کہتے ہیں جس کا نتیجہ یقینی نہ ہو۔ پس انسان کیونکہ ہم کو یقینی طور پر کوئی نقصان نہیں دے سکتے اس لئے اس سے خوف کرنا بُزدلی کہلائے گا۔ ہاں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کیونکہ یقینی انسان کو تباہ کر دینے والی ہے اس لئے اس سے بچنے والا محتاط کہلائے گا نہ کہ بُزدل۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کی امید رکھنا لالچ نہیں کیونکہ لالچ تو اُس چیز کے متعلق کیا جاتا ہے جس کا ملنا شکی ہو۔ لیکن جس چیز کے متعلق ملنے کا یقین ہو اُس کے بارہ میں لالچ کا لفظ نہیں بولا جاتا۔ مثلاً کسی شخص کو تنخواہ کا ملنا یقینی امر ہے تو یہ لالچ نہیں کہلا سکتا۔ پس خدا تعالیٰ کی طرف سے جو چیزیں ہم کو ملتی ہیں کیونکہ وہ یقینی ہوتی ہیں اس لئے ان کی امید لالچ نہیں ہے اور جو شخص اس مقام سے اِدھر اُدھر جاتا ہے وہ اپنے اندر عبودیت نہیں رکھتا یا پھر وہ غلطی خوردہ ہے اور اگرچہ ہم اس کو مؤمن کہہ لیں گے لیکن اسے کامل مؤمن نہیں

کہہ سکتے۔ اور اپنے کامل مؤمنوں کو اللہ تعالیٰ ہرگز ضائع نہیں کرتا بلکہ حدیث شریف سے تو معلوم ہوتا ہے کہ لَا یَشْقٰی جَلِیْسُھُمْ[۴] یعنی ان لوگوں کے پاس بیٹھنے والا بھی ضائع نہیں ہوسکتا۔

حضرت خلیفہ اوّل فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا میرے ساتھ یہ ایک خاص سلوک ہے کہ مجھے رات کا فاقہ کبھی نہیں ہوتا۔ ایک دوست سناتے تھے کہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضور رات کے وقت بٹالہ پہنچے اور آپ کے پاس کھانے کیلئے اُس وقت کچھ نہ تھا۔ آپ قادیان سے محبت کی وجہ سے رات کو ہی قادیان کی طرف چل دیئے۔ وہ دوست کہتے ہیں کہ میں آپ کے ساتھ تھا اور میں نے دل میں کہا کہ آج میں حضرت کی اس بات کا امتحان اچھی طرح سے لے سکتا ہوں کہ آیا آپ پر کسی رات کو فاقہ آتا ہے یا نہیں۔ کیونکہ آج آپ نے اب تک کچھ نہیں کھایا اور اب چار بج چکے ہیں۔ گھر جا کر بھی ان کو کھانا ملنے کی امید نہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ کی قدرت ہے کہ جب ہم وڈالہ کے قریب پہنچے تو ایک شخص ہماری طرف دَوڑتا ہوُا آیا اُس کے ہاتھوں میں برتن تھے اور اُس کے پیچھے کچھ ساتھی تھے اُن کو آواز دیتا چلا آرہا تھا۔ جب وہ ہم تک پہنچ گیا تو اس نے ہمارے سامنے کھانا رکھ دیا اور چارپائی بچھوادی۔ جب ہم کھانا کھا چکے تو حضرت خلیفہ اوّل نے اُس دوست سے پوچھا کہ آپ کو کس طرح پتہ تھا کہ آج ہم نے یہاں سے گزرنا ہے؟ کہنے لگا کہ مجھے معلوم تھا کہ آپ دہلی گئے ہوئے ہیں اور دہلی سے واپسی کا دن آج ہے اور میں صبح سے کھانا لئے بیٹھا ہوں کہ آپ اب تشریف لے آئے ہیں۔ نیز میری والدہ سخت بیمار تھی میں نے سوچا کہ میں حضور کو وہ مریضہ بھی دکھادوں گا۔ چنانچہ حضور نے مریضہ کو دیکھ لیا اور قادیان تشریف لے گئے اور آپ کی یہ بات کہ مجھے رات کا فاقہ کبھی نہیں ہوتا پوری ہوگئی۔ تو مؤمن جب اللہ تعالیٰ کا ہو رہتا ہے تو اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے ماتحت خودبخود آجاتا ہے اور ہر مؤمن سے اللہ تعالیٰ کے مختلف سلوک ہوتے ہیں ایک ہی رنگ کا سلوک ہر ایک سے نہیں ہوتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ میں امرتسر سے یکے پر سوار ہوکر روانہ ہوُا۔ ایک بہت موٹا تازہ ہندو بھی میرے ساتھ ہی یکے پر سوار ہوُا وہ مجھ سے پہلے یکے کے اندر بیٹھ گیا اور اپنے آرام کی خاطر اپنی ٹانگوں کو اچھی طرح پھیلا لیا حتّٰی کہ اگلی سیٹ جہاں میں نے بیٹھنا تھا وہ بھی بند کردی۔ چنانچہ میں تھوڑی سی جگہ میں ہی بیٹھ رہا۔ اُن دنوں دھوپ بہت سخت پڑتی

تھی کہ انسان کے ہوش باختہ ہو جاتے تھے۔ مجھے دھوپ سے بچانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے ایک بدلی بھیجی جو ہمارے یکّے کے ساتھ ساتھ سایہ کرتی ہوئی بٹالہ تک آئی۔ یہ نظارہ دیکھ کر وہ ہندو کہنے لگا آپ تو خدا تعالیٰ کے بڑے بزرگ معلوم ہوتے ہیں۔

اسی طرح حضور نے ایک دفعہ کا واقعہ بیان فرمایا کہ میں اپنے چند دوستوں کے ساتھ ایک مکان میں سو رہا تھا کہ مجھے القاء ہؤا کہ کوئی مصیبت آنے والی ہے اس مکان سے جلد نکل چلو اور دل میں ایسا ڈالا گیا کہ جب تک میں اس مکان کے اندر ہوں وہ مصیبت نازل ہونے سے رُکی رہے گی۔ چنانچہ میں نے مناسب سمجھا کہ اپنے سب دوستوں کو پہلے مکان سے باہر نکال لوں۔ چنانچہ جب وہ باہر چلے گئے اور میں بھی باہر جانے لگا تو ابھی میرا ایک قدم باہر اور ایک دروازے کے اندر کی طرف تھا کہ اس مکان کی چھت گر پڑی لیکن اپنی قدرت سے خدا تعالیٰ نے ہم سب کو اس بلائے ناگہانی سے محفوظ رکھا۔ پس اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ایسے سلوک کرتا ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے مگر عبودیت شرط ہے اور ایسے انسان کا انجام ضرور بخیر ہوگا۔ بظاہر وہ دنیا کی ظاہر بین نظروں میں ذلیل ہوتا نظر آرہا ہوگا لیکن انجام کار اُس کو عزت حاصل ہوگی۔ بظاہر وہ بدنام بھی ہو رہا ہوگا لیکن انجام کار نیک نامی اسی کو حاصل ہوگی۔ گویا اس شخص کی ابتداء عبودیت سے اور انجام استعانت پر ختم ہوگا۔

عبودیت کے معنی بندگی کے ہیں اور مثل مشہور ہے کہ بندگی بیچارگی۔ اور استعانت کے معنی ہیں اعزاز۔ گویا جب انسان بیچارگی کے مقام پر پہنچ جاتا ہے تب اُس کو اعزاز حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے یہ ترتیب کہ خدا تعالیٰ نے پہلے عبودیت اور اس کے بعد استعانت کو رکھا ہے بالکل درست ہے اور جو لوگ اس ترتیب کو بدلنا چاہتے ہیں وہ اِس نکتے کو سمجھے ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ پہلے اپنے بندہ کی کامل بیچارگی ظاہر کرتا ہے اور بعد میں اس کی مدد کر کے دنیا کو دکھا دیتا ہے کہ میں کس طرح اپنے بندوں کی مدد کرتا ہوں۔ اگر استعانت حاصل ہونے سے پہلے انسان پر بیچارگی طاری نہ ہو تو پھر استعانت کو بھی لوگ ایک اتفاقی امر سے زیادہ وقعت نہ دیں گے۔ ہر انسان کا فرض ہے کہ استعانت کے اس مقام کو حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ دنیا ہمیں کیا دے سکتی ہے اور کیا ہم سے چھین سکتی ہے۔ دنیا ہم کو کچھ نہیں دے سکتی کیونکہ اس کے پاس دینے کو ہے ہی کیا اور دنیا ہم

سے کچھ لے بھی نہیں سکتی کیونکہ ہم پہلے ہی خدا تعالیٰ کیلئے سب کچھ چھوڑے بیٹھے ہیں۔تو ہم سے کسی چیز کا چھیننا کیا معنی؟

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سنایا کرتے تھے کہ ایک اندھا کسی سے باتیں کررہا تھا اور اُس کی بلند آواز کی وجہ سے کسی تیسرے شخص کی نیند اُچاٹ ہورہی تھی۔ وہ اندھے سے کہنے لگا حافظ جی! سوجائیں۔اس اندھے نے جواب دیا بھائی! میں نے سونا کیا ہے بس خاموش ہی ہور ہنا ہے۔اُس کا مطلب یہ تھا کہ میری آنکھیں تو پہلے ہی بند ہیں اگر آواز بند کرلوں تو بس یہی میرا سونا ہوجائے گا۔ یہی حالت کامل مؤمن کی ہوتی ہے کہ وہ پہلے تو خدا تعالیٰ کے راستے میں سب کچھ قربان کرکے بیٹھا ہوتا ہے تو دنیا اُس سے کیا چھینے گی؟ کچھ بھی نہیں۔مؤمن نے اگر دنیا کو تھوڑا بہت ہاتھ لگایا ہؤا ہوتا تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ہی ہوتا ہے۔جیسا کہ سیّد عبدالقادر صاحب جیلانیؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہولے کھانے اور پہننے کی طرف ہاتھ کو نہیں بڑھاتا۔اور ایسے شخص کو کوئی لالچ بھی کس طرح دِلاسکتا ہے کیونکہ ایسے شخص کو خدا تعالیٰ زمین وآسمان کی بادشاہت دے دیتا ہے اور وہ خدا تعالیٰ کا نوکر ہوجاتا ہے۔تو کیا ایک ہزار روپے کے مالک کو کوئی چار آنے یا آٹھ آنے کا لالچ دے سکتا ہے؟ یا ایک کروڑ پتی کو کوئی دس روپے کی طمع دلاسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔اور اگر کوئی اسے لالچ دلانے کی کوشش کرے گا تو وہ احمق ہی ہوگا۔جس شخص کو خدامل گیا تو گویا اُس کو زمین وآسمان کے خزانوں کا مالک مل گیا اور اِس طرح اُس شخص کے ہاتھ میں یہ سب خزانے بھی آگئے اور پھر ایسا انسان لالچ کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا۔

اس کی ایک بیّن مثال یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی تبلیغ سے جب کفارِ مکہ تنگ آگئے تو وہ حضور کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آپ اپنی اس تبلیغ کو بند کردیں اوراس کے بدلہ میں اگر آپ شادی کرنا چاہیں تو ہم اپنے میں سے خوبصورت سے خوبصورت عورتوں سے کرواسکتے ہیں۔اگر آپ مال کے خواہشمند ہیں تو ہم سب لوگ ہزاروں روپے آپ کو جمع کرکے لادیتے ہیں اور اگر آپ دنیاوی عزت کے طالب ہیں تو ہم آپ کو اپنا سردار تسلیم کرنے کو تیار ہیں۔لیکن برائے خدا اِس تبلیغ کو بند کردیں۔حضور کیونکہ دنیا کو ہیچ اور ذلیل چیز سمجھتے تھے اس لئے اُن کو جواب دیا کہ یہ چیزیں تو کیا اگر تم سورج کو میرے دائیں ہاتھ پر اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ پر لاکر رکھ دو تو میں

ہرگز اس فرض کو ترک نہیں کرسکتا جو مجھ پر خدا تعالیٰ کی طرف سے عائد کیا گیا ہے ۵۔ پس جس کا خدا ہوگیا اُس کا سب کچھ ہوگیا۔ اب جبکہ دنیا کا سب کچھ ہی اُس کا ہے تو اس کی مملوکہ چیزوں کی اس کو لالچ دلانے کے کیا معنی؟ بھلا کیا کوئی شخص کسی کو اپنے ہی مال میں سے کچھ روپیہ نکال کر اس کو لالچ دلا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اور جس شخص کو خدا تعالیٰ زمین و آسمان کی بادشاہت دے چکا ہو ایسے شخص کو اگر کوئی یہ کہے کہ ہم تم کو فلاں دنیاوی عہدہ دے دیتے ہیں تو وہ کیا اس بات پر خوشیاں منانے لگے گا؟ قطعاً نہیں۔ اور جبکہ دنیا کے بادشاہ بھی اتنی قدرت کے مالک ہیں کہ ان کے سپاہیوں کی طرف اگر کوئی شخص بُری نظر سے دیکھے تو اس کو تباہ و برباد کردیتے ہیں تو کیا تم خیال کرتے ہو کہ خدا تعالیٰ کے سپاہیوں کو نقصان دینے کا ارادہ رکھنے والا اللہ تعالیٰ کے غضب سے محفوظ رہ سکتا ہے؟

دیکھ لو کہ اکیلے سیّد عبداللطیف کی شہادت کے نتیجہ میں ہزاروں لوگ کابل میں تباہ و برباد کردیئے گئے اور اس تباہی کی سیّد صاحب مرحوم نے قبل از وقت پیشگوئی بھی فرما دی تھی اِن الفاظ میں کہ میری موت کے چھ دن بعد جمعرات کے روز اِس شہر پر تباہی آجائے گی۔ جب انسان عبودیت کی کرسی پر بیٹھ جاتا ہے تو وہ چھوٹی چھوٹی چیزوں پر ہاتھ ڈالنا پسند بھی نہیں کرتا بلکہ اس کی نظر ہمیشہ بلندی کی طرف اُٹھتی ہے اس لئے کہ اس کی امیدگاہ وہ ذات ہوتی ہے جو زمین و آسمان کا مالک ہے۔

حضرت خلیفہ اوّل فرمایا کرتے تھے کہ جب ابھی میری عمر کوئی پندرہ سال کی تھی میں لکھنؤ میں طب پڑھنے کی غرض سے گیا چنانچہ وہاں کے ایک مشہور طبیب کے پاس پہنچا اور اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہا۔ میری سادہ حالت دیکھ کر اُس طبیب کے ساتھی کہنے لگے کہ یہ لڑکا کہاں سے آگیا ہے؟ اور بعض مجھے حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے ہنسنے بھی لگ گئے اور کہنے لگے اس کو یہ آداب کس نے سکھائے ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ یہ آداب مجھے اُس اُمّی نبی نے سکھائے ہیں جس نے ساری دنیا کو آداب سکھائے۔ اِس جواب میں میرا اشارہ اس طرف بھی تھا کہ انہوں نے باوجود مسلمان ہونے کے میرے سلام کا جواب نہیں دیا۔ چنانچہ میری اس بات کا حکیم صاحب پر بہت اثر ہوا اور انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ آپ کس غرض کیلئے آئے ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ آپ سے

طب پڑھنا چاہتا ہوں۔ کہنے لگے کہ میں تو ایک عرصہ سے طب پڑھانا ترک کر چکا ہوں۔ میں آپ کو ایک اور مشہور طبیب کی شاگردی میں داخل کر دیتا ہوں۔ میں نے کہا کہ اگر کسی اور طبیب سے ہی پڑھنا ہے تو پھر آپ کی سفارش کی ضرورت ہی کیا ہے میں خود ہی اس کے پاس جا سکتا ہوں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ اچھا بتائیں آپ کس قدر طب پڑھنی چاہتے ہیں۔ مجھے اُس عمر میں طبّ وغیرہ کا تو قطعاً کچھ علم ہی نہ تھا۔ ہاں افلاطون کے بارہ میں سن رکھا تھا کہ وہ بہت چوٹی کے حکیم ہوگزرے ہیں چنانچہ میں نے جواب دیا کہ افلاطون کے برابر طب پڑھنی چاہتا ہوں۔ میں نے افلاطون کا نام لیا تو وہ ہنس کر کہنے لگے کہ اگر آپ کا منشاء افلاطون کے برابر طب پڑھنے کا ہے تو ضرور کچھ نہ کچھ سیکھ ہی لیں گے۔ حضرت خلیفہ اوّل کی نگاہ بچپن میں بھی افلاطون تک ہی گئی اور کسی چھوٹے طبیب کی طرف ان کا ذہن منتقل ہی نہیں ہوا۔ کامل مؤمن کی بھی یہی حالت ہوتی ہے کہ وہ چھوٹی چھوٹی اشیاء پر نہیں گر پڑتا بلکہ خدا تعالیٰ کی شان کے مطابق اس سے امید رکھتا ہے اور اگر ہم خدا تعالیٰ سے چھوٹی چھوٹی چیزیں مانگ کر ہی صبر کر بیٹھیں تو یہ خدا تعالیٰ کی کسرِ شان ہے گویا ہم یہ سمجھتے ہیں کہ وہ بڑی چیزیں نہیں دے سکتا۔ خدا تعالیٰ کی شان تو یہ ہے کہ وہ ہم کو جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ [۶] کی امید دلاتا ہے۔ اگر کہیں سے ہم کو کروڑ روپیہ مل رہا ہو تو ہم کیوں پانچ روپوں پر راضی ہوں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مؤمن کو لالچ ہوتا ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص عنایت ہے اس کو لالچ نہیں کہا جا سکتا۔ مؤمن کا حوصلہ بہت بلند ہوتا ہے۔

حضرت خلیفہ اوّل فرماتے تھے کہ میرے پاس ایک غریب عورت آئی مجھے خیال ہوا کہ اس کی کچھ امداد کر دوں۔ میں نے اس سے کہا کہ مائی! تجھے کچھ ضررت ہو تو بتلاؤ تا کہ امداد کی جائے۔ کہنے لگی کہ مجھے کچھ ضرورت نہیں۔ خدا تعالیٰ نے سب کچھ دے رکھا ہے اور اس کی تفصیل یوں بیان کی کہ میرا ایک لڑکا بھی ہے اور ہم دونوں کے پاس ایک بڑا قرآن مجید ہے۔ جس کو ہم دونوں باری باری پڑھ لیتے ہیں۔ ایک کافی بڑا لحاف ہے اس میں ہم دونوں رات کو اکٹھے سو رہتے ہیں۔ جب مجھ کو زیادہ سردی محسوس ہوتی ہے تو مَیں لحاف کو اپنے اوپر اچھی طرح سے لپیٹ لیتی ہوں اور جب میرے لڑکے کو سردی محسوس ہوتی ہے تو وہ لحاف کو اپنے اوپر ڈال لیتا ہے۔ ایک مکان ہے اس میں ہم آرام سے گزارہ کر لیتے ہیں۔ اُس عورت کے نزدیک یہی اشیاء سب کچھ

کے قائمقام تھیں، اُس کا حوصلہ بلند تھا۔ مؤمن کی شان ہی یہی ہے کہ جس طرح وہ کروڑوں سے نہیں گھبراتا اسی طرح دس روپے سے بھی نہیں گھبراتا۔

پس اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کا درجہ حاصل کر لینے کے بعد مؤمن دنیا کی کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اُس کی پشت پر ایک قادرِ مطلق ہستی ہے۔ دنیا میں دیکھ لو کہ انگریز کیونکر ایک طاقتور حکومت ہے اس لئے اس کا ایک سپاہی بھی اکڑ اکڑ کر چلتا ہے اور لوگ اس سپاہی سے ڈرتے بھی ہیں۔ حقیقت میں وہ اس معمولی سپاہی سے نہیں ڈر رہے ہوتے بلکہ اُس سپاہی کی پُشت پر جو زبردست طاقت ہے اُس سے ڈر رہے ہوتے ہیں۔ تو جب ایک معمولی سی دنیاوی حکومت کا سپاہی کسی سے نہیں ڈرتا تو کیا خدا تعالیٰ کا سپاہی اور اس کا نوکر کسی سے ڈر سکتا ہے۔

اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کا جواب اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں یہ دیتا ہے کہ اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ؎ یعنی جب کوئی شخص یہ سوال کرے کہ خدا کہاں ہے؟ تو تم اس کو کہہ دو کہ خدا تمہارے بالکل قریب ہے۔ تم بولو وہ آیا۔ گویا دَعْوَۃَ الدَّاعِ ایک سیٹی ہے جو مؤمن کو دی جاتی ہے جس طرح ایک سپاہی سیٹی بجاتا ہے اور اُس کی سیٹی کی آواز کے سنتے ہی اُس کے افسر اُس کی مدد کیلئے آن موجود ہوتے ہیں اسی طرح جب مومن دَعْوَۃَ الدَّاعِ کی سیٹی بجاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو اپنی مدد کیلئے بلاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فوراً اُس سیٹی کی آواز سن کر اُس کے پاس آ کر کہتا ہے کہ ہاں بتلاؤ کیا کہتے ہو؟ میں تمہاری مدد کیلئے آ گیا ہوں۔ پس بد بخت اور نالائق ہے وہ شخص جو اِس سیٹی کے اپنے پاس ہوتے ہوئے بھی کسی سے ڈرتا ہے۔

قصوں کی کتابوں میں ایسی کہانیاں لکھی ہوتی ہیں کہ فلاں دیو فلاں شخص کو جاتا ہوُا بال دے گیا اور کہہ دیا کہ اگر تم کو میری مدد کی ضرورت ہو تو اِس بال کو آگ دکھا دینا مَیں فوراً تمہارے پاس تمہاری مدد کیلئے آن پہنچوں گا۔ یہ تو فرضی کہانیاں ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے حقیقت میں ہم کو اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ کا بال دیا ہوُا ہے جس کے ذریعہ سے ہم اپنے پروردگار کو جس وقت چاہیں نہایت آسانی سے اپنی مدد کیلئے بُلا سکتے ہیں اور اِس بال کے مل جانے کے بعد بھی اگر کوئی شخص اپنے دل میں خوف رکھتا ہے تو وہ ازلی شقی اور پاگل ہے اور اللہ تعالیٰ کو پکارنا بعض اوقات اس طور پر بھی ہوتا ہے کہ ہم اس کی راہ میں مارے جائیں یا اور قسم کے مصائب ہم پر

ٹوٹیں۔تو جب ہم اُس کی راہ میں مارے جائیں گے تو یہی ہماری طرف سے خدا تعالیٰ کو پکارنا ہوگا اور خدا تعالیٰ فوراً ہماری مدد کو آئے گا۔بعض اوقات اللہ تعالیٰ خوف کے ذریعہ سے ہی انسان سے اپنے آپ کو آواز دِلواتا ہے لیکن اس آواز کے آتے ہی اس انسان کے پاس جانے میں دیر نہیں کرتا اور آتے ہی دنیا کا نقشہ بدل دیتا ہے، حکومتوں کو تبدیل کردیتا ہے اور اس طرح مؤمن کو ترقی دیتا ہے۔کیا اگلے زمانہ میں اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو ان کی تجارت نوکریاں بڑھا دینے سے ترقی دیا کرتا تھا؟ نہیں بلکہ ان سے مالی و جانی قربانیاں لے کر اور ان کو شدید امتحانوں میں ڈال کر ترقی دیا کرتا تھا۔ہاں جب مؤمن اس امتحان میں پاس ہوجاتا ہے تو وہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی غیرت اُس کی مدد کیلئے جوش میں آتی اور دنیا کو بتا دیتی ہے کہ جس شخص میں کامل عبودیت پیدا ہوجائے اُس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے استعانت حاصل ہوتی ہے اور اُس ایک شخص کے بدلہ میں خدا تعالیٰ دنیا کو زیروزبر کرنے کیلئے تیار ہوجاتا ہے۔

(مأخوذ از ریکارڈ خلافت لائبریری ربوہ)

۱؎ بخاری کتاب الصوم باب حق الجسم فی الصَّوْمِ (مفہوماً)

۲؎ الفاتحۃ: ۵

۳؎ تذکرہ صفحہ ۵۰۔ایڈیشن چہارم

۴؎ بخاری کتاب الدعوات باب فَضْلِ ذِکْرِ اللّٰہِ عَزَّ وَ جَلَّ

۵؎ سیرت ابن ھشام جلد ا صفحہ ۲۵۸ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۶؎ آل عمران: ۱۳۴ ۷؎ البقرۃ: ۱۸۷